ایمان، اخلاق اور شہادت حق

کوئٹہ بم دھماکہ جس میں ستر سے زائد قیمتی جانوں کا نقصان ہوا، اِس کا دھواں بہت سے لوگ اُس آگ سے اٹھتا محسوس کرتے ہیں جو کئی دہائیوں سے افغانستان کی سرزمین کو جلا رہی ہے۔نہیں ...... یہ بات اتنی سادہ نہیں ہے۔مسلمان خاص کر پاکستان کے مسلمان جو دنیا بھر میں اسلام کے دعویدار ہیں جس آگ میں جل رہے ہیں، اس کی چنگاریاں افغانستان سے اڑ کر نہیں آئیں۔

یہ آگ تو پہلے بھی ہمیں سقوط ڈھاکہ کی شکل میں جلا چکی ہے۔ یہ آگ تو ہر برس ہزاروں بے گناہوں کو غربت ، جہالت اور ناانصافی کے ہاتھوں جلاتی ہے۔ یہ آگ تو برسہا برس سے فرقہ وارانہ، نسلی اور لسانی فسادات میں ہمیں جلاتی رہی ہے۔دہشت گردی اسی آگ کا ایک نیا شعلہ ہے جو دس پندرہ برس سے ہمارے شہروں کو جھلسا رہا ہے۔ہم اس شعلے کو بجھا بھی دیں تو یہ کسی اور شکل میں بھڑک اٹھے گا۔

یہ آگ ان قوموں کا مقدر ہوتی ہے جن کے افراد اللہ کے نام پر دنیا میں کھڑے ہوتے ہیں اور پھر بھی ایمان و اخلاق کے ہر تقاضے کو اوپر سے نیچے تک پامال کرتے ہیں۔ یہ آگ ان کا مقدر ہوتی ہے جن کو دنیا میں حق کے گواہ بنا کر کھڑا کیا جاتا ہے اور وہ دنیا سے لڑنے جھگڑنے کو کرنے کا اصل کام سمجھتے ہیں۔ یہ آگ ان کا مقدر ہوتی ہیں جو ختم نبوت کے ہر منکر کو کافر قرار دیتے ہیں اور خود ختم نبوت کے بعد عائد ہونے والی شہادت حق کی ذمہ داری کو بھول کر جیتے ہیں۔

ہمارے پاس اس آگ کو بجھانے کا ایک ہی راستہ ہے۔ یا تو ہم اسلام کا نام لینا بند کر دیں کہ لوگ ہماری مکروہ اخلاقی شکل میں اسلام کا چہرہ تلاش نہ کریں۔ یا پھر ایمان، اخلاق اور شہادت حق کی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ نہیں تو پھر مزید آگ کے لیے تیار رہیں۔ کیونکہ خدا نے غداروں کو پہلے کبھی معاف کیا ہے نہ وہ آئندہ ایسا کرے گا۔

لاٹری

لاٹری جوئے کی ایک قسم ہے۔اس میں بہت سارے لوگ تھوڑے سے پیسے دے کر ایک ٹکٹ خرید لیتے ہیں۔خریداروں کی تعداد بعض اوقات لاکھوں میں ہوتی ہے۔پھر ان ٹکٹوں کی قرعہ اندازی ہوتی ہے۔جس شخص کے ٹکٹ کا نمبر قرعہ اندازی میں نکل آتا ہے اسے ایک بہت بڑی رقم مل جاتی ہے۔جبکہ باقی لوگوں کی رقم ضائع ہوجاتی ہے۔

قطع نظر اس سے کہ اسلام میں جوا اور اس کے نتیجے کے طور پر لاٹری حرام ہے، ہمارے ہاں لاٹری کے حوالے سے ایک محاورہ وجود میں آ گیا ہے کہ فلاں شخص کی لاٹری نکل آئی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تقدیر اس شخص پر مہربان ہوگئی اور وہ اچانک ترقی کر کے فرش سے عرش پر جا پہنچا۔گویا کہ لاٹری نکلنے کا محاورہ انتہائی خوش نصیبی کے لیے بولا جاتا ہے۔

ہم انسانوں کو یہ بات نہیں معلوم مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہم جس حیثیت میں موجود ہیں اس میں ہم سب کی لاٹری نکلی ہوئی ہے۔ہم ایک ایسی کائنات میں زندہ ہیں جو لامحدود طور پر وسیع اور ختم نہ ہونے والے خزانوں کی حامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک روز یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی مخلوق کو اس کائنات کا بادشاہ بنادیں گے۔اللہ تعالیٰ کی لاکھوں کروڑوں مخلوقات میں سے اس مقصد کے لیے انسانوں کا انتخاب کرلیا گیا۔یوں گویا کہ ہم انسانوں کی لاٹری نکل چکی ہے۔

انسانوں کو بس کرنا یہ ہے کہ گنتی کے چند سال اللہ کو دیکھے بغیر اس کی عبادت کریں اور اس کی بات مانیں۔یوں سمجھئے کہ لاٹری نکلنے کے دن سے لے کر انعام پانے کے درمیانے وقت میں خود پر قابو رکھنے کی بات ہے۔اس کے بعد کائنات کے سارے خزانے آپ کے قدموں میں ڈھیر ہوں گے۔تو چلیے اب خوش ہوجایئے اور خوشیاں منایئے کہ آپ کی لاٹری نکل آئی ہے۔بس تھوڑا سا صبر اور تھوڑا سا شکر۔یہ بادشاہی آپ کی ہوئی۔

اعتباریت کا بحران

ہمارے ہاں جن لوگوں کو معاشرے میں لکھنے اور بولنے کی بنا پر کوئی نمایاں مقام حاصل ہے، ان میں سے بیشتر کا پسندیدہ شغل یہ ہے کہ اپنے سے مختلف خیالات کے کسی شخص کو نشانہ بنا کر اس پر جا بے جا تنقید کی گولہ باری کی جائے۔ ہم اس رویے کی وجوہات پر بحث نہیں کرنا چاہتے، صرف اس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ افکار کے بجائے افراد کو ہدف تنقید بناتے ہیں وہ اپنی آخرت اور دوسروں کی دنیا خراب کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی آخرت اس طرح خراب ہوتی ہے کہ وہ تنقید کے جوش میں اکثر دوسروں کی نیت کو زیر بحث لے آتے ہیں۔ بدگمانی سے کام لیتے ہیں۔ اپنی کم علمی یا جہالت کے باوجود پورے اعتماد سے دوسروں کے بارے میں فیصلے دیتے ہیں۔ ان کو بدنام کرتے اور ان پر جھوٹے الزام و بہتان لگاتے ہیں۔ ان میں سے ہر رویہ آخرت کی جوابدہی کو لازم کر دیتا ہے۔

دوسروں کی دنیا وہ اس طرح خراب کرتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہر نمایاں شخص کو وجہ بے وجہ ہدفِ تنقید بنانے کا سلسلہ عام ہو جائے وہاں سب لوگوں بشمول تنقید کرنے والے کی اعتباریت آخر کار ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے معاشرے میں تنقید کرنے والے بھی ہمیشہ جوابی تنقید کا ہدف بنتے ہیں۔ جو لوگ دوسروں کو گمراہ قرار دیتے ہیں کچھ اور لوگ پہلے ہی ان کو گمراہ سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کے خلاف مہم چلاتے ہیں، ان کے خلاف بھی آخر کار مہم چلتی ہے۔

ایک عام آدمی اس صورتحال سے متوحش ہو جاتا ہے۔ خاص کر دین کے نام لیوا یہ کام کریں تو وہ خود دین ہی سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ ایسی باتوں سے اکثر لوگوں میں منفی اندازِ فکر پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہر شخص اور ہر چیز کو سازش اور برائی کے پہلو سے دیکھتے ہیں۔ معاشرے میں بدگمانی جنم لیتی ہے اور اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا معاشرہ دنیا میں کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ یوں یہ ناقدین اپنی آخرت اور دوسروں کی دنیا کی خرابی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

مقام لذت مقام اذیت

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کے ساتھ فضل و کرم کا عجیب معاملہ کر رکھا ہے۔ یہاں انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان ضروریات میں لذت کا ایسا خزانہ رکھ دیا گیا ہے جس کے لمس سے کوئی بھی دوسری مخلوق نا آشنا ہے۔

مثال کے طور پر انسانوں کی غذا کو لے لیجیے۔ غذا زندگی برقرار رکھنے کے لیے لازمی ہے۔ یہ ضرورت دیگر جانداروں کی طرح بہت سادہ انداز میں بھی پوری کی جا سکتی تھی۔ مگر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ذوق لذت کی تسکین کے لیے دنیا میں انواع و اقسام کے کھانے، ذائقے اور مشروبات رکھ دیے گئے ہیں۔ کھٹے، میٹھے، نمکین، مصالحہ دار ان لذیذ کھانوں کو انسان اپنے منہ کے ذریعے سے پیٹ تک پہنچا کر توانائی کا خزانہ حاصل کرتا ہے۔ اس عمل میں زبان جو ذائقہ محسوس کرتی ہے اور ذہن اس سے جس طرح لذت اٹھاتا ہے وہ بلاشبہ ایک معجزاتی عمل ہے۔

لذتِ کام و دہن کی یہ دنیا ایک عذاب میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس کی سادہ ترین مثال یہ ہے کہ جب کسی شخص کے منہ میں چھالے پڑ جائیں، السریشن سے منہ کے اندر کی جلد خراب ہو جائے، گلے میں تکلیف ہو جائے یا خدانخواستہ منہ یا گلے کا کینسر ہو جائے تو یہی کھانا منہ میں رکھنا اور گلے سے اتارنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ ایسے میں ایک لقمہ اور ایک قطرہ آب منہ سے نیچے اتارنا ایک قیامت خیز مرحلہ ہے۔ جو عمر بھر مقام لذت رہا وہ ایک مقام عذاب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہی اس دنیا کی باقی لذتوں کی داستان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ تمام انسانوں کو ساری زندگی نعمتوں اور لذتوں سے مالا مال کیے رکھتے ہیں۔ مگر جو لوگ یہ نعمت پا کر غفلت اور نافرمانی کا شکار ہو جاتے ہیں، ایک روز ان کے ہر مقام لذت کو مقام عذاب بنا دیا جائے گا۔ یہ دن وہ ہو گا جب قیامت کے بعد

تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ پھر ہر مجرم و سرکش کو جہنم رسید کیا جائے گا۔

شکر گزاری کے بجائے سرکشی کی راہ اختیار کرنے والے ان مجرموں کو کھانے اور پینے کے لیے خاردار جھاڑیاں، خون، پیپ، کھولتا ہوا پانی، زقوم اور اس نوعیت کی دیگر بدمزہ اور تکلیف دہ چیزیں دی جائیں گی۔ یہ چیزیں ان کے منہ، گلے اور پیٹ کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالیں گے۔ ایک ایک گھونٹ، ایک ایک لقمہ عذاب کی ایک نئی شدت لیے ان کا منتظر ہوگا۔ مگر ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔ بھوک ان کو مجبور کرے گی اور وہ اس کی اذیت سے بلبلا کر اس کھانے کی اذیت کو گلے لگانے پر مجبور ہوں گے۔

اس کے برعکس کچھ اور لوگ جنت کی پر کیف بستی میں ہمیشہ کے لیے بسا دیے جائیں گے۔ ہر لمحہ ایک نئی لذت سے ان کا تعارف ہوگا۔ کھانے اور پینے کی ہر چیز وہاں سرور، کیف، مستی، ذائقے اور لذت کے ایک نئے پہلو سے ان کو روشناس کرائے گی۔ وہاں کی شراب ان کے سر میں درد کرے گی نہ ہوش و حواس سے بے گانہ کرے گی۔ وہاں کے کھانے نہ بدہضمی پیدا کریں گے نہ حوائج ضروریہ کا باعث بنیں گے۔ نہ پیٹ میں گرانی ہوگی نہ سینے میں جلن ہوگی۔ نہ کھانا کم پڑے گا نہ پیٹ بھرنے کی وجہ سے ہاتھ روکنے پر مجبور ہوں گے۔

یہ جنت صرف انھی لوگوں کا مقدر ہے جو گزشتہ دنیا میں اپنے تعصّبات اور جذبات سے بلند ہوکر ایمان کو اختیار کرنے والے بنے۔ اپنے پیدائشی مذہب، روایتی فرقے اور ابتدائی نظریات سے بلند ہوکر سچ کی پیروی کرنے والے بنے۔ اپنی عملی زندگی میں اعلیٰ اخلاق کی پیروی کرنے والے اور صبر و شکر سے زندگی گزارنے والے بنے۔ انھوں نے جان لیا کہ ان کا وہ مالک کتنا کریم ہے جس نے ہر مقام اذیت کو مقام لذت بنا رکھا ہے۔ ان کی یہی دریافت حمد و تسبیح کے ان نغموں میں ڈھل جاتی ہے جسے سننے کے لیے آسمان و زمین ترستے ہیں۔ مگر یہی نغمے آج کا غافل انسان گانے پر تیار نہیں ہے۔

دنیا کی مشکل

ہم میں سے ہر شخص مشکلات سے گھبراتا ہے اور آسانی پسند کرتا ہے۔ لیکن مشکلات اس دنیا کی تخلیقی اسکیم کا لازمی حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک سے زیادہ جگہ اس بات کو بیان کرتے ہیں یہ دنیا انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس امتحانی پرچہ کے حصے ہیں۔ ایک نعمتیں اور دوسری مشکلات۔ چنانچہ مشکلات سے مفر ممکن نہیں۔

تاہم اس حقیقت کے باوجود کہ دنیا میں مشکلات اور مسائل ناگزیر ہیں، چند چیزیں ایسی ہیں جن سے یہ مشکلات آسان کی جاسکتی ہیں۔ پہلی اللہ تعالیٰ کی صفت حکیم پر یقین رکھنا ہے۔ مشکلات میں یہ یقین انسان کو بتاتا ہے کہ زندگی کی ہر مشکل کی ایک وجہ اور حکمت ہے۔ یہ حکمت ہمارے ہی فائدے کے لیے ہے۔ مگر چونکہ ہم کو علم نہیں ہوتا تو ہم مشکل سے گھبرا جاتے ہیں۔

اس کو دو مثالوں سے سمجھیں۔ پہلی مثال اس نو بیاہتا لڑکی کی ہے جس کی شادی پر کچھ عرصہ گزر جائے اور اس کے ہاں اولاد نہ ہو۔ ایسی لڑکی کے ہاں جب اولاد کی تمہید بنتی ہے تو اس کی ساری علامات بیماری کی ہوتی ہیں۔ مگر جیسے ہی اصل حقیقت کی خبر ہوتی ہے وہ لڑکی اور اس کے متعلقین پریشان ہونے کے بجائے خوش ہوجاتے ہیں۔ نو مہینے میں عملی طور پر حاملہ کی کیفیت ایک بیمار مریض سے مختلف نہیں ہوتی۔ مگر متوقع اولاد کی خوشی اور ان کیفیات کے عارضی ہونے کی بنا پر وہ باخوشی اس مشکل صورتحال کو برداشت کرتی ہے۔

یہی معاملہ مشکلات اور ناگوار حالات کا ہے۔ دنیا کی ہر مشکل عنقریب آخرت کی بہت بڑی آسانی میں بدلنے والی ہے۔ مگر ہم صورتحال کو اس پہلو سے نہیں دیکھتے۔ ہم نہیں سوچتے کہ مشکل کا ہر لمحہ حشر اور آخرت کی کسی نہ کسی سختی کو ہم سے دور کررہا ہے اور جنت کی کسی نہ کسی نعمت کو بڑھا رہا ہے۔ مگر جیسے ہی ہمیں اس حقیقت کا یقین ہوجائے گا ہم ایک حاملہ لڑکی کی طرح مشکل کو

بھی خوشی کے ساتھ برداشت کرنے کے عادی ہوجائیں گے۔ ہم مسائل اور پریشانیوں کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے، مگر اسے اپنے ذہنی سکون کو منتشر کرنے کا سبب نہیں بنائیں گے۔ جو ہوسکے گا ہم کریں گے اور باقی معاملہ اللہ پر چھوڑ کر مطمئن ہوجائیں گے۔ اس یقین کے ساتھ کہ ہمارا جو معاملہ ہمارے ہاتھ میں نہیں رہتا وہ اس ہستی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو بہت کریم و رحیم ہے۔

مشکلات کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ زندگی کی اکثر مشکلات ایسی ہوتی ہیں، جن میں آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ مگر عام طور پر ہم نہیں جانتے کہ یہ مشکل دراصل کتنی بڑی مشکل سے ہمیں بچارہی ہے۔ اس کی مثال اس بچے کی ہے جسے ویکسینیشن کا ٹیکہ یا بیماری میں دوا کا کڑوا گھونٹ جب دیا جاتا ہے تو وہ چیخ و پکار شروع کر دیتا ہے۔

مگر ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کڑوا گھونٹ اور سوئی کی چبھن درحقیقت موت، معذوری، اور مرض کی تکلیف سے بچانے اور جسم کی راحت کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی معاملہ زندگی کے بہت سے مسائل کا ہوتا ہے۔ ان مسائل کے ذریعے سے بھی اللہ تعالیٰ ہم کو زندگی کے بہت سے بڑے اور تباہ کن مسائل و مشکلات سے بچالیتے ہیں۔ مگر ہم چونکہ ان زیادہ بڑے مسائل سے واقف نہیں ہوتے، اس لیے مشکلات پر نالاں رہتے ہیں۔

تاہم اللہ تعالیٰ کی تربیت کا یہ طریقہ ہے کہ بعض اوقات وہ ہماری یا دوسروں کی زندگی میں ایسے واقعات دکھا دیتے ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے تھے وہ بری تھی اور جس مشکل سے ہم بہت پریشان تھے وہ دراصل بہت بڑی خیر تھی۔ اس حکمت کو جان لینے کے بعد باقی معاملات میں ہمیں اپنی سوچ کو درست کرلینا چاہیے۔ جس شخص نے یہ انداز فکر اختیار کرلیا، اس کے لیے دنیا کی مشکل کو سہنا آسان ہوجاتا ہے۔ مشکلات کبھی اس کو زیر نہیں کرپاتی۔ اس کا حوصلہ نہیں توڑتیں۔ یہی سوچ وہ مثبت سوچ ہے جس کی ہم سب کو ضرورت ہے۔

ترکی کا سبق

ترکی کی ناکام فوجی بغاوت کے بعد ہمارے دانشور اور تجزیہ کار وہاں کی صورتحال کا مسلسل تجزیہ کر رہے ہیں۔ اس غیر معمولی دلچسپی کی جہاں اور کئی وجوہات ہیں، وہیں ایک اہم وجہ فوج اور سویلین حکومت کے درمیان تعلقات کا تاریخی پس منظر ہے جو کسی حد تک ترکی سے ملتا جلتا ہے۔ تاہم میری ناقص رائے میں پاکستان ترکی سے بہت کچھ سیکھ تو سکتا ہے، مگر دونوں میں کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی دو اہم وجوہات ہیں۔

ایک یہ کہ ماضی کی کچھ مماثلت کے باوجود موجودہ ترکی پاکستان سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔ وہاں کی موجودہ سیاسی قیادت نے مسلسل خدمت سے عوام کو جمہوری سسٹم پر مکمل اعتماد عطا کر دیا ہے۔ اردگان جب میئر تھے تو انھوں نے میئر والے کام بہت خوبی سے سرانجام دیے اور جب وزیر اعظم بنے تو وزیر اعظم کی حیثیت میں ملک کو ترقی کی راہ پر ڈالا۔ جبکہ ہمارے ہاں آج بھی وزیر اعظم کے کریڈٹ پر میئر کی سطح پر کیے جانے والے کام ہی ہیں۔ جبکہ باقی صوبوں میں حکمران جماعتوں کے کریڈٹ پر میئر والے کام بھی نہیں۔ وہ وزیر اعظم پر تنقید کرنے ہی کو جمہوریت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہماری سیاسی لیڈرشپ کا عوام کی زندگی بہتر بنانے میں کوئی اہم رول نہیں۔ اس کے بعد لوگ ان کی جمہوریت کو بچانے کے لیے گھر سے کیوں نکلیں اور کیوں جانیں دیں؟

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ ترکی کے برعکس پاکستان حقیقی معنوں میں ایک قوم بننے کے مرحلے سے بہت دور ہے۔ بلکہ پچھلے چند عشروں سے اس میں ترقی معکوس کی صورتحال ہی پیدا ہوئی ہے۔ سردست یہاں پنجابی ہیں جنھوں نے پنجابی کو، سندھیوں نے سندھی کو، پختونوں نے ایک خان کو، مہاجروں نے مہاجر کو اور بلوچیوں نے بلوچی سرداروں کو منتخب کر رکھا ہے۔ یہی ہماری وہ اصل سچائی ہے جس کا ہم کھل کر اقرار کرنے سے ڈرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے ہاں کئی ملکوں سے

زیادہ بڑے صوبے پائے جاتے ہیں۔ اور صوبہ تقسیم کرکے چھوٹے انتظامی یونٹ بنانا ملک تقسیم کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔

اس لیے ہمارے پاس ترکی سے موازنے کے لیے کچھ نہیں۔ صرف سیکھنے کے لیے سبق ہے۔ سبق یہ ہے کہ جب حکمران مسلسل خدمت سے عوام کی زندگی بہتر بنانے کو مشن بناتے ہیں تو پھر حکومت ان کی نہیں رہتی عوام کی بن جاتی ہے۔ پھر کوئی فوجی ٹولہ اٹھتا ہے تو عوام ٹینکوں کے سامنے لیٹ کر اور پولیس فوج کے خلاف بندوقیں اٹھا کر میدان میں آجاتی ہے۔ اس خدمت کے بغیر جمہوریت کا راگ الاپنے، کرپشن کے نام پر دھرنوں کا تماشہ کھڑا کر کے پانچ برس گزارنے اور اپنے اور اپنے خاندان کے لیے دولت کے انبار جمع کرنے والوں کی حکومت ختم کرنے کے لیے آرمی کے دو ٹرک ہی کافی ہوتے رہے ہیں اور ضرورت پڑی تو آئندہ بھی دو ہی ٹرکوں میں کام ہو جائے گا۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ جب صوبے قومیتوں کی علامت بن جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں اجتماعی بہتری کا کوئی حقیقی منصوبہ نہیں بنایا جاسکتا۔ سیاستدان جب چاہیں گے جاگ پنجابی، جیسے مہاجر، جیسے سندھ اور پختون اور بلوچ قومیت کے نعرے لگا کر اپنے مفادات حاصل کر لیں گے۔ اگر ملک کو حقیقی طور پر ایک قوم بننا ہے تو اسے صوبائیت سے باہر نکلنا ہوگا۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ انتظامی بنیادوں پر پاکستان کو چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ نہیں ہوگا تو کرکٹ میچ اور انڈیا کے مقابلے کے علاوہ کبھی کوئی پاکستانی قوم ظاہر نہیں ہوگی۔ پاکستان کی محافظ صرف اور صرف پاکستانی فوج ہوگی۔ جب تک فوج میں دم ہے یہ ملک ایک رہے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ ملک بچانے کے لیے فوج کو بہت طاقتور رکھنا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ سیاسی اداروں کو کمزور رکھنا ہی ہماری ضرورت بنا رہے گا۔ اس منفی صورتحال میں نہ کبھی اردگان جیسی لیڈر شپ پیدا ہو سکتی ہے اور نہ کبھی پاکستان ترکی کی طرح ترقی کر سکتا ہے۔ یہی ہمارے لیے ترکی کی صورتحال کا اصل سبق ہے۔

لینے اور دینے کے پیمانے

قرآن مجید کی سورہ مطففین کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے لیے ہلاکت کا فیصلہ سنایا ہے۔ عام طور پر ان آیات کو ناپ تول میں ڈنڈی مارنے والوں سے خاص کیا جاتا ہے۔ یعنی ہلاکت ان لوگوں کے لیے ہے جو پیسے پورے لیتے ہیں مگر ناپتے اور تولتے وقت ڈنڈی مار کر لوگوں کو کم دیتے ہیں۔

تاہم اصلاً اس جگہ ایک خاص عمل نہیں بلکہ ایک خاص فکر زیر بحث ہے۔ یہ فکر اچھی طرح جانتی ہے کہ کسی کو مجھے کچھ دینا ہے تو اسے پورا دینا چاہیے۔ ہاں اسے دیتے وقت اپنے مفاد کے لیے وہ ڈنڈی مار دیتی ہے۔ یہی فکر اگر غصے اور انتقام میں کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے کم دے گی تب بھی غلط ہوگا۔ یہ فکر کاروباری ناپ تول کے علاوہ کسی اور پہلو سے یہ کام کرے گی تب بھی اسی وعید کی مستحق ہوگی۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ گروہی اور فرقہ وارانہ تعصّبات میں مبتلا لوگ جب دوسرے گروہوں یا افراد کو نشانہ بناتے ہیں تو معمولی سی رعایت بھی نہیں دیتے۔ رعایت دینا تو دور کی بات ہے؛ جھوٹ، الزام، بہتان، بات کو کچھ سے کچھ کرنا اور اس جیسی بہت سی چیزیں معمول ہوتی ہیں۔ مگر جب معاملہ اپنا آ جائے تو رویہ ایک دم مختلف ہو جاتا ہے۔ پھر کفِ لسان بھی یاد آ جاتا ہے۔ حق اختلاف بھی زیر بحث آ جاتا ہے۔ عذر و تاویل کا دروازہ بھی پوری طرح کھل جاتا ہے۔ شرح و وضاحت بھی شروع ہو جاتی ہے۔ وسعت و برداشت کا درس بھی دہرایا جاتا ہے۔

مگر یہ درحقیقت وہی چالاکی ہے جس پر قرآن مجید نے ہلاکت کی وعید سنائی ہے۔ جس شخص کے لینے اور دینے کے پیمانے جدا ہیں، وہ قرآن مجید کے مطابق جہنم کی سزا کا حقدار ہے۔ چاہے یہ کام مفادات کے لیے کیا جائے یا تعصّبات کے لیے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جہنم کی آگ دونوں طرح کے لوگوں کو یکساں طور پر جلائے گی۔

ابو یحییٰ

میرا مطالعہ

احباب وقتاً فو قتاً مجھے اچھی کتابوں کے متعلق پوچھتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں میرے عزیز دوست ندیم اعظم صاحب کی طرف سے یہ فرمائش دہرائی گئی کہ میں اپنی منتخب اور پسندیدہ کتابوں کے بارے میں کچھ لکھوں۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس طرح لکھنے کی فرمائش اسی شخص سے کی جانی چاہیے جو یا تو بہت وسیع المطالعہ ہو یا پھر کوئی غیر معمولی علمی حیثیت کا شخص ہو۔ یہ خاکسار ان دونوں شرائط پر پورا نہیں اترتا۔ پھر جس طرح کی کتابوں نے مجھے غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے وہ شائد عام لوگوں کو بہت زیادہ اپیل نہ کریں۔ لیکن پھر بھی ان کا اصرار جاری رہا تو سوچا کہ اوائل عمری کے اپنے مطالعے کی داستان لکھ دی جائے۔ اس میں کچھ ایسے اسباق ہیں جن سے کچھ نہ کچھ دوسروں کے بھلا ہونے کا بھی امکان ہے۔

بچپن کی کتب بینی

ہم نے کتابیں پڑھنے کا شغل اسی وقت اختیار کرلیا تھا جب عام بچے دوسرے بچوں کے ساتھ چھپن چھپائی اور لنگڑی پالا جیسے کھیل کھیلا کرتے تھے۔ گرچہ ان کھیلوں سے بھی ہم کبھی لاتعلق نہیں رہے اور ان کھیلوں کے ساتھ کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال سے لے کر ٹیبل ٹینس اور بیڈ منٹن سب ہی کو حسب توفیق کھیلا، مگر اس کے ساتھ پرائمری اسکول کے زمانے ہی سے ہمیں مطالعے کی عادت ہوگئی۔ گھر میں اخبار آتا تھا۔ اس میں ٹارزن کی کہانی روزانہ آیا کرتی تھی۔ اسے پڑھنا ہمارا معمول تھا۔ اسی کے ساتھ اخبار میں موجود دیگر خبریں بھی پڑھنے لگے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بھٹو صاحب کی پھانسی کی پوری تفصیل میں نے اخبار میں پڑھی تھی اور میں اس

وقت روزانہ اخبار کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ میں اس وقت غالباً تیسری یا چوتھی جماعت میں تھا۔ یہی وہ مقام تھا جب اپنی عمر سے کہیں زیادہ آگے کی چیزوں میں دلچسپی لے کر انھیں پڑھنے کی عادت پڑ گئی جو ساری زندگی بہت کام آئی۔

کچھ غیر اخلاقی مطالعہ

میں اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ بڑے بھائی بہنوں کو پڑھنے کی عادت تھی۔ عمران سیریز اور ڈائجسٹیں عام طور پر گھر میں آتی تھیں۔ جلد ہی مجھے اس نئی دنیا کا شعور ہو گیا۔ چنانچہ سیاست اور حالات حاضرہ کی طرح رومانوی اور جاسوسی کتب سے بھی وقت سے بہت پہلے متعارف ہو گیا۔ مگر اس مطالعہ کی داستان کچھ دلچسپ ہے۔

یہ ناول اور کتابیں بڑے بھائی گھر لاتے، شوق سے پڑھتے اور ہم سے چھپا کر رکھتے کہ اُس زمانے کے مروجہ اخلاقی معیارات کے مطابق ان کتابوں میں کسی وقت بھی اخلاق سے گری ہوئی کوئی چیز وارد ہو سکتی تھی۔ اور چھوٹوں کو ایسی اخلاقی پستی میں گرنے سے بچانا بڑوں کی بہر حال ایک اخلاقی ذمہ داری تھی۔ مگر ہم عمران سیریز پڑھ کر خود ہی علی عمران بن چکے تھے۔ چنانچہ چھپائے گئے ناولوں اور ڈائجسٹوں کو ڈھونڈنا، بڑوں کے علم میں لائے بغیر چوری چھپے انھیں پڑھنا، اور ان کے گھر لوٹنے سے قبل ان کی خفیہ جگہوں پر واپس رکھ دینا، ہماری ذاتی جاسوسی مہمات کا مرکزی خیال ہوتا تھا۔ یوں رازداری سے یہ آتش شوق اور بھڑکتی رہی۔

مجھے یاد ہے کہ اپنی زندگی کا پہلا رومانوی ناول ''محبت یا شرارت'' بھی تیسری چوتھی جماعت میں پڑھ لیا تھا۔ داستان امیر حمزہ جیسی ضخیم تاریخی فکشن بھی اسی دور میں پڑھی تھی۔ ان رومانوی اور جاسوسی ناولوں کی بہت سی باتیں اپنی کم عمری کی بنا پر سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ مگر اپنی عمر سے آگے کی چیزوں کا مطالعہ کرنے کا ایک بنیادی فائدہ یہ ہوا کہ میرا تصور اور تخیل بہت وسیع ہونے لگا۔ بعد میں

بھی یہ چیز قائم رہی بلکہ مطالعہ کے عمل میں مستقل شامل ہوگئی۔

مطالعہ اور تخیل

ہمارے ہاں بہت سے لوگوں کا مطالعہ وسیع ہوتا ہے، مگر تخیل بڑا محدود ہوتا ہے۔ ایسے لوگ لکھے ہوئے الفاظ کی سیاہی تک محدود رہتے ہیں۔ وہ اس میں تخیل کے رنگ بھر کر کوئی تصور قائم نہیں کر پاتے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہر اسم کے پیچھے ایک مسمیٰ ہوتا ہے۔ الفاظ کے پیچھے شخصیت ہوتی ہے۔ ان کا تصور قائم کیے بغیر بات پوری طرح سمجھی نہیں جا سکتی۔ وہ زیادہ پڑھ کر بھی اپنے مطالعہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ چنانچہ مطالعہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ آپ جو بھی پڑھیں اس کو ذہن میں زندہ کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اس دنیا میں پہنچیں جہاں مصنف آپ کو لے جانا چاہتا ہے۔

اس کو یوں سمجھیں کہ میں جو کچھ اپنے بارے میں لکھ رہا ہوں اسے سرسری پڑھتے ہوئے نہ گزریں۔ یہ سوچیں ایک پرائمری اسکول کا بچہ کتنی عمر کا ہوتا ہے۔ تصور کی آنکھ سے اسے دیکھیں کہ وہ ایک موٹی سی کتاب آنکھوں کے سامنے لیے بیٹھا ہے اور نگاہیں اس سے نہیں ہٹا رہا۔ یا پھر جیسے میں نے بھٹو صاحب کی پھانسی کا لکھا ہے۔ تو ذرا ذہن دوڑائیں کہ ان کو کس سن میں پھانسی دی گئی تھی۔ معلوم نہ ہو تو کہیں سے معلوم کریں۔ یہ وہ عمل ہے جو آپ کے تخیل کو دوران مطالعہ زندہ رکھے گا۔ اس طرح کا مطالعہ ذہن کے دریچے کھول کر انسان کی سمجھ بوجھ کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود کوئی اوریجنل بات کہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ورنہ بہت سے لوگ بہت کچھ پڑھ کر بھی ایک اوریجنل بات نہیں کہہ سکتے۔ بس مکھی پر مکھی ماردی یا دوسروں کی باتوں کو نقل کر دیا۔ فیس بک پر یہ رویہ عام طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ زیادہ پڑھنے سے لکھنا آجاتا ہے۔ اچھا لکھنے کے لیے تخیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تخیل تو خیر بہت آگے کی چیز ہے۔ ہمارے

ہاں تو پڑھنے کے عمل میں لوگ سمجھ بوجھ اور فہم وادراک کو بھی کونے میں رکھ دیتے ہیں۔ میں اس حوالے سے کچھ عرض کرتا ہوں لیکن پہلے اپنی بات کو ذرا آگے بڑھا لوں۔

مطالعہ اور فہم

میں گھنٹوں نان اسٹاپ مطالعہ کا عادی تھا۔اس لیے ہر کتاب جلد ہی ختم ہوجاتی۔ ایک وقت آیا کہ بڑوں کی لائی ہوئی کتابیں میرے لیے کم پڑ گئیں۔خود لائبریری جا کر یہ ناول لانا یا پیسے خرچ کرنا ہماری عمر کے دائرے سے آگے کی چیز تھی۔ اس لیے یہ راستہ تو بند تھا۔چنانچہ مجبور ہوکر دستیاب ناول اور کتب ہی بار بار پڑھنا شروع کر دیں۔مگر یہ بھی کب تک کرتے کہ وقت ختم نہ ہوتا تھا۔اس دور میں بچے شام کے وقت کھیل کود کے لیے گھر سے باہر جایا کرتے تھے۔ ٹی وی کے بھی یہی اوقات تھے۔یوں شام کو مصرف تو تھا،مگر دوپہر بیوہ کی جوانی کی طرح کٹتی نہ تھی۔دوسری طرف پڑھنے کی لت تھی کہ نشے کی طرح اپنے مطالبات کی تسکین چاہتی تھی۔ چنانچہ پہلے پہل بڑے بھائیوں کی کورس کی کتابیں چاٹ ڈالیں۔پھر آگے بڑھتے بڑھتے بڑی بہن کی گریجویشن کی سطح کی کتابیں جن کا تعلق مذہب، ادب، فلسفے اور تاریخ سے تھا پڑھنا شروع کر دیں۔آج سے تین چار عشروں پرانا یہ وہ دور تھا جب بی اے اتنی آسانی سے نہیں ہوتا تھا جس طرح اب کرلیا جاتا ہے۔ بلکہ اتنا ہی مشکل تھا جتنا اب اپر کلاس کے پرائمری اسکولوں کا کورس ہوتا ہے۔یعنی ہمارے پی ایچ ڈی سے بھی زیادہ مشکل۔ان کتابوں کو بھی بار بار پڑھنا شروع کیا۔جن کے بعد یہ مشکل مباحث سمجھ میں آنے لگے۔جس کے بعد اعلیٰ علمی مباحث پڑھنے اور ان کو سمجھنے کی عادت ہوگئی۔

اب کبھی خیال آتا ہے کہ ایک ہی چیز کو بار بار پڑھنے کی عادت بہت مفید ثابت ہوئی۔اب کبھی کسی وسیع المطالعہ شخص کی بات پڑھتے ہوئے اور سنتے ہوئے واقعی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ضروری نہیں کہ جس نے زیادہ پڑھ لیا ہو، اس کی سمجھ میں بھی کچھ آ گیا ہو۔ پڑھنا ایک الگ وصف ہوتا ہے

اور پڑھ کر سمجھنا ایک الگ وصف ہوتا ہے۔ پہلا تو کوئی وصف ہی نہیں ہوتا، مگر چونکہ یہ بھی اب عنقا ہو گیا ہے تو اس کی بھی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے، مگر اصل وصف تو پڑھ کر سمجھنا ہوتا ہے۔ ورنہ انسانی دماغ معلومات کا کباڑ خانہ تو بن سکتا ہے، علم کا گہوارہ نہیں۔

یہی مطالعہ کا دوسرا اصول ہے۔ پڑھنا سمجھنے کے لیے ہونا چاہیے۔ سمجھنے سے مراد یہ ہے کہ پڑھنے والا مصنف کی بات کو پوری طرح سمجھے۔ اس کے بیان کردہ تصورات، اصطلاحات اور خیالات کو اپنی گرفت میں لے۔ آج کل جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ نامور صحافی اور فیس بک پر ہزاروں لوگوں کے مرشد کسی اعلیٰ محقق کی بات کو پوری طرح سمجھے بغیر تنقید شروع کر دیتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس صورتحال پر ہنسوں یا آنسوں بہاؤں۔

دوسری بات اس حوالے سے یہ ہے کہ مطالعہ سے انسان کچھ اخذ کرے۔ اور ضروری ہے کہ درست بات اخذ کرے۔ ورنہ مطالعہ بہت سطحی رہ جاتا ہے چاہے وہ کتنا زیادہ بھی کر لیا جائے۔ مطالعہ کی ہر بات یاد نہیں رکھی جا سکتی۔ لیکن اہم ترین نکات کو نوٹ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

ہمارے ہاں جو لوگ وسیع المطالعہ کہلاتے ہیں، میں نے یہ دیکھا ہے کہ اکثر ان کی سمجھ بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ وہ لوگوں کو متاثر کرنے اور اپنے مطالعے کا رعب جھاڑنے کے لیے ہر وقت کتابوں کے حوالے اور نام گنواتے رہتے ہیں۔ مگر جیسے ہی علم اور فہم کا معاملہ آئے گا تو اندازہ ہو گا کہ انھوں نے بات کو پوری طرح نہیں سمجھا ہے۔ ایسے لوگ اچھے نقال تو ثابت ہو سکتے ہیں۔ یا دوسرے کی باتیں اپنے الفاظ میں تو بیان کر سکتے ہیں لیکن عالم یا دانشور ہونا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اب اس طرح کے لوگ ہی علم و دانش کی مسند پر فائز ہیں۔

نماز، فلم اور بچوں کی تربیت

خیر یوں اعلیٰ علمی مباحث کو پڑھنا اور سمجھنا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں مذہب کی طرف رجحان ہوگیا۔ اس رجحان کی ایک شکل تو وہی تھی جو خلیفہ اول امیر المومنین ضیا الحق مرحوم ومغفور کے اسلامی انقلاب کے نتیجے میں ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ محلے کے بچوں میں سال میں ایک دو دفعہ یہ ذوق وشوق پیدا ہوتا کہ نماز با جماعت مسجد میں ادا کی جائے۔ چنانچہ ہر نماز میں تمام بچے با جماعت ہر لڑکے کے گھر جا کر اسے بلاتے اور مسجد میں ساتھ جا کر با جماعت نماز ادا کرتے۔ تاہم کچھ ہی دنوں میں یہ شوق ختم ہو جاتا اور کوئی دوسرا شغل اس کی جگہ لے لیتا۔ تاہم میرے معاملہ میں ایک دوسرا استثنائی معاملہ ہوا جو شاید بہت سے لوگوں کے لیے سمجھنا مشکل ہو، مگر اس کی وجہ سے مجھے ہمیشہ کے لیے نماز کی عادت پڑ گئی۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک زمانے میں فلم دیکھنے کے لیے سینما جانا بہت بڑی تفریح ہوا کرتی تھی۔ مجھے اپنے بچپن میں فلمیں دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ کنگ کانگ، سند باد اور اسی نوعیت کی فلمیں دیکھنے کے لیے ہم مرے جاتے تھے۔ میرے بڑے بھائی نے اس عادت کا اندازہ کر کے یہ اصول طے کر دیا کہ میں اگر ایک مہینے کی نماز باقاعدہ پڑھوں گا تو وہ مجھے فلم دکھانے سینما لے جائیں گے۔ چنانچہ میں نے نماز باقاعدہ پڑھنا شروع کر دی۔ کچھ عرصے میں فلمیں تو نہ رہیں، نماز البتہ عمر بھر کے لیے رہ گئی۔ ویسے قارئین سے درخواست ہے کہ اس تجربے کو اپنے بچوں پر دہرانے سے قبل بچوں کی ذہنی تربیت کے لیے بھی وقت نکالیں، ورنہ نتائج الٹے بھی نکل سکتے ہیں۔ یعنی نمازیں تو گئیں، فلمیں عمر بھر کے لیے چلتی رہیں۔

علم اور تعصب

جب نماز کے لیے مسجد سے رابطہ ہوا تو آہستہ آہستہ مسجد کا شوق بڑھتا گیا۔ جمعہ کی نماز کے

علاوہ امام صاحب جو دیگر تقریریں کرتے اور اکثر کرتے وہ بھی ہم سن کر آتے۔ یہیں سے ایک مذہبی رجحان پیدا ہوا۔ یوں خالص مذہبی معلومات اور مطالعہ بڑھنا شروع ہوگیا۔ تاہم امام صاحب کا تعلق ایک خاص مسلک سے تھا اس لیے انھوں نے دیگر مسالک کے اہل علم کے خلاف ایک زبردست تعصب پیدا کردیا۔ چنانچہ اصول یہ طے پایا کہ اب گمراہ اور بددین لوگوں کی کتابیں نہیں پڑھنی۔ اوران کی جو بات بھی کہیں سن لی یا پڑھ لی تو اس میں کیڑے ہی نکالنے ہیں۔ گرچہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بعد میں مطالعہ کی عادت ہی کی وجہ سے اس تعصب سے بھی جان چھوٹی۔ کیونکہ جب پڑھنے کے لیے کچھ نہیں ملتا تھا اور دیگر مسالک کی چیزیں ہی ملتی تھیں تو ان کو بھی پڑھتے چلے جاتے۔ چنانچہ مطالعے کی یہ بھی ایک برکت ہے کہ یہ انسان کو تعصّبات سے اوپر اٹھا دیتا ہے۔ تاہم جو لوگ تعصّبات کے جال میں بری طرح جکڑ جائیں اور فکری اور نظریاتی طور پر اپنے تعصّبات کے اسیر ہوجائیں، میرا تجربہ یہ ہے کہ ان کا سارا مطالعہ بے کار چلا جاتا ہے۔

مطالعہ کے متعلق یہ بنیادی اصول سمجھ لیں کہ یہ دوسرے کہ نقطہ نظر سمجھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اگر پہلے ہی اس کی ہر بات میں کیڑے نکالنا اور نکتہ آفرینی شروع کردی تو کبھی کچھ نہ پاسکیں گے۔ بلکہ کسی پر تنقید کا درست راستہ بھی یہی ہے کہ پہلے اس کی بات اتنی اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ آپ اس کا موقف اس سے بہتر بیان کردیں۔ جب یہ ہوجائے گا پھر ہی آپ کی تنقید بھی کچھ معقول ہوگی۔

آج بھی میں بکثرت ایسے مصنفین، کالم نویس، دانشوروں کی چیزیں پڑھتا ہوں تو لگتا ہے کہ انھوں نے زندگی میں نہ کچھ پڑھا ہے اور نہ کچھ سمجھا ہے۔ علماء کا نام اس لیے نہیں لکھا کہ علما کا بچپن ہی سے کسی خاص فرقہ سے تعلق ہوتا ہے۔ اس کے بعد انھیں اس بات سے معذور ہی سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے تعصّبات سے بلند ہوکر کوئی دوسری بات سمجھ سکیں گے۔ ہاں مستثنیات سب جگہ ہوتی

ہیں۔ مگر فرقہ واریت سے اوپر اٹھنا اتنا بڑا کام ہے کہ کوئی عالم یہ کام کرلے تو وہ اپنے زمانے کا ولی کامل کہلانے کا مستحق ہے۔

منتخب مطالعہ

ایک چوتھی اور آخری بات جو قارئین سے شیئر کرنا چاہتا ہوں کہ اب کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ سب کچھ پڑھے۔ ہر مصنف، ہر کتاب، ہر تحریر قابل مطالعہ نہیں ہوتی۔ اس لیے اوریجنل مصنفین کی چیزیں پڑھا کریں۔ وہ لوگ جو کسی فن کے ماہر ہوں۔ سنی سنائی بات کے بجائے تحقیق کرکے لکھتے ہوں۔ ان کے لکھنے کے انداز یا خیالات میں ندرت پائی جاتی ہو۔ یا لکھتے اتنا خوبصورت ہوں کہ پڑھنے کا دل چاہے۔ ایسے لوگوں کو ڈھونڈ کر ان ہی کی چیزیں پڑھنی چاہئیں۔ ہاں انفرادی طور پر کوئی بھی شخص کسی موقع پر بہت اچھا لکھ سکتا ہے۔ جب ایسی کوئی تحریر آئے تو مصنف کے نئے یا اجنبی ہونے کو نظر انداز کرکے اس کی چیز پڑھنا چاہیے۔

خلاصہ

بہر حال اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ مطالعہ کرنے کے تین چار رہنما اصول ہیں۔ ایک یہ کہ مطالعہ کیجیے مگر ساتھ ساتھ اسے سمجھ کر اس سے کچھ اخذ کرنے کی بھی کوشش کریں۔ دوسرے مطالعہ کے ساتھ سوچنے کے ذریعے تخیل کو زندہ رکھیں۔ تیسرے مطالعہ کرتے وقت تعصّبات اور ذاتی پسند و ناپسند اور ترجیحات سے بلند رہیں۔ چوتھے یہ کہ منتخب مصنفین اور منتخب تحریروں کو پڑھیں۔ ہر لکھی ہوئی چیز اور ہر لکھنے والا پڑھنے کے لیے نہیں ہوتا۔ ان چیزوں کے ساتھ آپ جو پڑھیں گے وہ بہت کام آئے گا۔

جہاں رہیے اللہ کے بندوں کے لیے باعث رحمت بن کر رہیے، باعث آزار نہ بنیے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل

کاپیاں اور اعمال نامے

میں نے اپنے اٹھارہ سالہ کیریئر میں بے شمار کاپیاں چیک کی ہیں۔ کچھ کاپیاں انٹرنل امتحانات کی ہوتی ہیں اور کچھ بورڈ ایگزامز کی۔ بورڈ یا یونیورسٹی کی کاپیوں کے چیک کرنے والے کو علم نہیں ہوتا کہ طالب علم کون ہے۔ اسی لئے بڑی عجیب اور دلچسپ باتیں لکھی ہوتی ہیں۔

ایک مرتبہ ایک کاپی میں ایک لڑکی نے لکھا ''میری منگنی ہوگئی جس کی خوشی میں سب کچھ بھول گئی، پلیز پاس کردیں''۔ کسی میں لکھا تھا ''میرے بچے کی ساری رات طبیعت خراب رہی اس لئے پڑھ نہیں پائی تو پاس کردیں''۔ اس کے علاوہ غربت و افلاس کی بنا پر پاس کرنے کی اپیلیں تو بہت کامن ہیں۔ غرض کئی قسم کی باتیں لکھی ہوتی ہیں۔

دراصل یہ کاپیاں انسانی شخصیت کی عکاس ہوتی ہیں کہ امتحان دینے والا کس مزاج کا حامل ہے۔ اسی شخصیت کی کارکردگی کا اعلان رزلٹ کارڈ کے ذریعے کردیا جاتا ہے کہ امتحان دینے والا پاس ہے یا فیل۔ رزلٹ کارڈ کی طرح ایک دن آخرت میں ہمیں اعمال نامہ دیا جائے گا جس میں ہماری شخصیت کا تعین کردیا جائے گا کہ ہم اچھے انسان تھے یا برے، سنجیدہ تھے یا لاابالی، خدا پرست تھے یا مفاد پرست۔ اسی لحاظ سے ہمارا انجام متعین ہوجائے گا کہ ہم پاس ہیں یا فیل۔ اسی تناظر میں ہم دیکھیں تو ہم ان کاپیوں سے بہت حد تک انسانی شخصیت کے بارے میں جان سکتے اور اس سے آخرت کے انجام کو سمجھ سکتے ہیں۔

بری کاپیاں

کچھ کاپیوں میں طلبا فلمی گانے، اشعار، لطیفے، لایعنی کہانیاں اور دیگر خرافات لکھ دیتے ہیں۔ اس قسم کی کاپیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ لکھنے والا پورے امتحانی نظام کا مذاق اڑا رہا، چیک کرنے

والے کو منہ چڑا رہا اور بدتمیزی کر کے یہ کہہ رہا ہے ''کرلو جو کرنا ہے''۔ قیامت میں بھی کچھ لوگ اپنے نامہ اعمال میں اس قسم کے اعمال لائیں گے جب انہوں نے خدا کو گالی دی تھی، اس کا انکار کیا تھا، اس کی باتوں کا مذاق اڑایا تھا، اس کے پیغمبروں کی توہین کی تھی، اس کی جانب بلانے والوں کو دقیانوسی کہا تھا، اس کی کتابوں پر تبرا بھیجا تھا، اس کے امتحانی نظام کو چیلنج کیا تھا اور بغاوت کا علم بلند کر کے کہا تھا کہ ''کرلو جو کرنا ہے''۔ ایسے لوگوں کا سادہ انجام نہیں۔ بلکہ یہ نظام کے باغی ہیں اور ان کی سزا عام مجرموں کی طرح نہیں بلکہ اسپیشل طرز کی ہوگی۔

کچھ کاپیاں بالکل خالی ہوتی ہیں۔ اس سے علم ہوتا ہے کہ اس قسم کے طلبا نے سرے سے کوئی تیاری نہیں کی تھی اور پورا سال لاابالی پن میں گذارا۔ آخرت میں بھی کچھ لوگوں کے اعمال نامے میں اچھائیاں اور نیکیاں نہیں ہوں گی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ساری زندگی لہو ولعب، کھیل کود، غفلت اور دنیا میں لگا دی اور آخرت کے حوالے سے کوئی کام بھی نہ کر پائے۔

کچھ لوگ ہیں جو امتحان میں محنت نہیں کرتے اور اس کمی کو دور کرنے کے لئے کاپی پر مختلف تعویذ اور وظائف لکھتے ہیں۔ ان کی مثال آخرت میں ان لوگوں کی سی ہے جو توہمات کے سہارے اپنی زندگی گزارتے رہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان اور عمل صالح لازمی ہے اور نجات اسی پر موقوف ہے۔

کچھ طلبا رونے پیٹنے لگ جاتے اور بہانے بنانے لگ جاتے ہیں کہ ہماری طبیعت خراب تھی یا میں بہت غریب ہوں اس لئے پاس کر دیں۔ ظاہر ہے اس قسم کے بہانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص ایک دن قبل بیمار تھا تو کیا سارا سال بیمار تھا کہ ایک لفظ نہیں لکھ پایا۔ آخرت میں بھی میں اس قسم کے لوگ پیش ہونگے جنہوں نے اس آس پر گناہ کئے ہوں گے کہ کوئی بہانہ کر دیں گے۔ اول تو وہاں زبانیں گنگ ہو جائیں گی۔ اگر کسی کا کوئی عذر ہوگا تو رب العلمین خود

ہی اس کا لحاظ کر کے حساب کتاب کریں گے۔ لیکن وہاں جھوٹ بولنا، مگر مچھ کے آنسو بہانا، بہانے تراشنا ممکن نہ ہوگا۔

کچھ لوگ اس آس پر امتحان دیتے ہیں کہ پیسے دے کر پاس ہو جائیں گے، یا کسی سیاسی تنظیم کی بنیاد پر کام کروالیں گے، یا ڈرا دھمکا کر کام نکال لیں گے یا کسی کی سفارش سے کام چلا لیں گے۔ یہ سارے کام دنیا میں بھی اتنے آسان نہیں ہوتے۔ البتہ آخرت میں تو اس کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں۔ کون ہے جو خدا کو نعوذ باللہ دھمکا کر اپنا کام کروالے، وہ کون سی سیاسی تنظیم ہے جو اپنا اثر ورسوخ معاذ اللہ رب العلمین پر آزما سکے؟ وہ کون سا پیسا ہے جسے رشوت کے طور پر استعمال کیا جا سکے؟ وہ کون ہے جو خدا کی مرضی کے خلاف سفارش کر کے نجات دلوا سکے؟

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی جواب دیتے ہوئے درمیان میں سوال ہی کاپی کر دیتے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو یہ تاثر ہو کہ کاپی بھری ہوئی ہے۔ ممتحن کی نگاہ فوراً ہی تاڑ لیتی ہے اور بھری ہوئی کاپی کو کاٹ کر وہ زیرو نمبر دے دیتا ہے۔ آخرت میں خدا کو دھوکا دینا تو قطعاً ممکن نہ ہوگا۔ کچھ لوگوں نے اپنے نامہ اعمال میں الٹے سیدھے لایعنی اعمال بھر رکھے ہوں گے جنہیں وہ دین سمجھ کر کرتے رہے لیکن وہ سب خدا کے نزدیک ناقابل قبول تھے۔ وہ دین داری کے نام پر لایعنی جلسے نکالتے رہے، وہ اسلام کے نام پر جھوٹی سیاست کرتے رہے، وہ جہاد کے نام پر فساد کرتے رہے، وہ دقیانوسی قبائلی کلچر کو اسلامی شعائر سمجھتے رہے، وہ ریاکاری والے حج کو گناہوں کی مغفرت کا سبب سمجھتے رہے۔ لیکن جب وہ آخرت میں ان سب کو دیکھیں گے تو علم ہوگا کہ یہ سارے اعمال نجات دینے کی بجائے الٹے ان کے گلے پڑ گئے ہیں۔

امتحان دینے والے لوگوں کی ایک قسم ان لوگوں پر مبنی ہے جنہوں نے سوال ہی درست طور

پر نہیں سمجھا۔ سوال کچھ تھا اور جواب کچھ اور۔ وہ سوال کا غلط جواب لکھتے رہے اور اسے ہی درست سمجھتے رہے۔ اس غلط جواب لکھنے کا ایک سبب تو غلط اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جوش و جذبات اور جلد بازی میں اتنے اندھے ہو گئے کہ سوال سمجھنے ہی کی زحمت نہ کی۔ آخرت میں بھی اس قسم کے کئی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے امتحانی سوال کو سمجھا ہی نہیں اور غلط جواب دے کر آ گئے۔ مثال کے طور پر مذہبی لیڈر شپ کا اصل امتحان یہ تھا کہ وہ لوگوں کا تزکیہ و تربیت کرتے لیکن وہ لوگوں میں تعصب پیدا کرنے کو دین داری سمجھتے رہے۔ ان کا کام تھا کہ لوگوں کے باطن کی اصلاح کرتے لیکن وہ ظاہری رسومات ہی کو دین کے طور پر پیش کرتے رہے۔

ایک اور قسم ان لوگوں کی ہے جو ایک سوال کا جواب اتنا طویل لکھ دیتے ہیں کہ سارا وقت ختم ہو جاتا ہے اور وہ دیگر سوال حل ہی نہیں کر پاتے۔ نتیجے کے طور پر وہ فیل ہو جاتے ہیں۔ دین کے معاملے میں بھی یہ بہت کامن ہے۔ کچھ لوگ مثال کے طور پر عبادات میں ہی پوری زندگی بسر کر دیتے ہیں۔ فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ اشراق و چاشت پڑھتے، رمضان کے علاوہ نفلی روزے رکھتے اور فرض حج کے علاوہ کئی حج بھی کرتے ہیں لیکن دین کے دیگر امور کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ مثال کے طور پر اخلاقیات میں دوسرے سرے پر کھڑے ہو کر لوگوں سے بدتمیزی کرتے، کاروبار میں دھوکا دیتے، بات چیت سے تکلیف پہنچاتے، بدگمانی و چغلی سے فساد برپا کرتے، انسانوں کا قتل کرنے والوں کی واہ واہ کرتے، تعصب کو دین سمجھتے اور ہر قسم کی غیر اخلاقی حرکت کو اپنی عبادت گزاری کی آڑ میں جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اشراق اور چاشت کی نمازوں نے تکبر میں مبتلا کر دیا۔ یہ دین میں پوچھے گئے صرف ایک سوال ہی کا جواب دیتے رہے اور دوسرے سوالات کی تیاری ہی نہیں کی۔ نتیجہ ''فیل''۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے سوالات کا غلط انتخاب کرتے ہیں۔ انہیں دس میں سے پانچ سوال کرنے تھے لیکن انہوں نے وہ سوالات منتخب کیئے جن میں وہ کمزور تھے یا جن کے جوابات مشکل تھے۔ دین میں بھی یہ کام اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص کو ایک سادہ زندگی ملی تھی جس میں وہ باآسانی چند اعمال کر کے پاس ہوسکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی لالچ، حرص اور طمع کے ذریعے ناجائز دولت کے انبار اکٹھے کر لئے، جھوٹی شہرت کو زندگی کا مقصد بنالیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہوگیا، عبادات سے محروم ہوگیا۔ تو اس نے ایسا سوال منتخب کرلیا جس کے جواب کا وہ مکلّف ہی نہ تھا۔

کچھ سوال اس طرح کے ہوتے ہیں جن کا جواب مخصوص ہیڈنگز میں ہی دینا ہوتا ہے جبکہ کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب اپنی طرف سے دینا ہوتا ہے۔ دین کا معاملہ بھی یہی ہے۔ کچھ ایسے امور ہیں جس کا دین نے طریقہ مقرر کردیا ہے اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ مخصوص ہے جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ۔ اسی طرح کچھ امور ایسے ہیں جنہیں دین نے مجمل چھوڑا ہے یعنی انسان آزاد ہے کہ ایک دائرے میں رہتے ہوئے ان پر عمل کرے جیسے انسان آزاد ہے کہ وہ اپنے ذوق کے مطابق کتنا سوئے، کتنا کھائے، کتنا پیئے وغیرہ۔ اب جو لوگ دین سے جان چھڑانا چاہتے ہیں وہ متعین امور میں آزادی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ نمازوں کو لایعنی سمجھ کر اذکار پر ہی اکتفا کرتے، روزوں کو فاقہ کشی سمجھ کر چھوڑنے کی کوشش کرتے، حج کو محض ایک رسم سمجھتے ہیں۔ دوسری جانب کچھ ظاہر پرست لوگ دین کی دی گئی رخصت میں بھی پابندی کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ لوگ فجر کی نماز کے بعد سونے کو دین کے خلاف سمجھتے، کھانا پیٹ بھر کر کھانے کو تقوی کے منافی گردانتے اور دنیا کی جائز نعمتوں سے استفادے کو برائی جانتے ہیں۔ اس رویئے سے دین کا توازن بگڑ جاتا ہے اور نتیجہ بعض اوقات کٹر ظاہر پرستی یا

ایک لاابالی شخصیت کی شکل میں نکلتا ہے۔

اچھی کاپیاں

تیسری قسم کی کاپیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں بہت اچھا لکھا ہوتا ہے، ہر صفحے پر سنجیدگی، متانت، محنت اور دیانت ٹپک رہی ہوتی ہے۔ خوبصورت لکھائی دیکھ کر نفاست کا احساس ہوتا اور متن پڑھ کر ذہانت کا پتا چلتا ہے۔ ہر سوال اچھی طرح سمجھا جاتا اور اس کا متوازن جواب دیا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ صرف امتحانی نظام کے تقاضوں کو سمجھا بلکہ اس پر ایمان لاکر اس کے مطابق تیاری کی، اس کے ہر سوال کو بغور پڑھا، اس کے جوابات پر نوٹس بنائے، سمجھنے کے لئے کلاسز لیں، اساتذہ سے رجوع کیا، تعلیمی اداروں کی خاک چھانی، اپنا دن رات ایک کیا اور تن من دھن قربان کر کے یکسوئی اختیار کی۔ دین میں ایسے لوگوں کی مثال ان سلیم الفطرت لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنی فطرت کے چراغ کی حفاظت کی، اسے ماحول کی آلودگی سے بچائے رکھا۔ اس کے علاوہ وحی کے علم سے اپنی شخصیت کو آراستہ کیا، خدا کے احکامات کو سمجھا، جانا، مانا اور پھر اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے درست اساتذہ کا انتخاب کیا، ان سے اپنے مسائل ڈسکس کئے اور راہنمائی حاصل کرنے کے بعد منزل کی جانب چل پڑے۔

ایسے لوگوں کا آخرت میں انجام صدیقین، شہدا اور صالحین کی صورت میں ہوگا۔ ہر طرف سے ان پر سلامتی مبارکبادی کے ڈونگرے برس رہے ہونگے، ان کے استقبال کے لئے فرشتے مستعد ہونگے، انہیں خدا کی جانب سے کامیابی کی سند سے نوزا جائے گا اور ان کا آخری کلمہ یہی ہوگا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

فرح رضوان

فلاح کا راستہ

تو کیا فلاح کا راستہ بس اتنا ہی چھوٹا سا 10 منٹ کا ہے؟ 2 منٹ میں وضو 4 منٹ جاءِ نماز تک جانے اور آنے کے اور 4 منٹ کی نماز۔ تو یوں پانچ نمازوں کے بنے پچاس منٹ باقی 23 گھنٹے دس منٹ کا کیا بنے گا؟

دعا تو ہم مانگیں کہ اللہ ہمیں متقین کا امام بنا دے اور جو کردار اس کا متقاضی ہے اسے لمحہ لمحہ بنانے کے بجائے ...... لمحہ لمحہ اخلاقی بگاڑ کی نذر کر دیں؟ فواحش کے حوالے کر دیں اور فیس بک پر اپنی اقدار کی نماز جنازہ پڑھتے رہیں۔

آپ !...... جی آپ لوگ ! جو بھی اس طرز عمل سے گزر رہے ہیں میں ان سے مخاطب ہوں کہ اگر آپ 14 برس سے اوپر کی خاتون ہیں تو میری بیٹی، میری بہن ہیں، اور لڑکے ہیں تو میرے بیٹے، میرے بھائی کی طرح ہیں۔ اور آپ سب ہی کی مسلسل وقت اور ایمان کی یوں بربادی دلی اذیت کا سبب بن رہی ہے۔ حالانکہ نہ کوئی قانون میں نے بنایا ہے نہ ہی میں اس پر پہریدار۔ لیکن چہرے کا پردہ کرنے اور اس پر فخر محسوس کرنے والی خواتین کو جب بے باکی سے فیس بک پر مردوں کی چھوٹی سے چھوٹی اور ذو معنی اور انتہائی بے تکی بات (بکواس) کا جواب دیتے ہوئے دیکھتی ہوں تو بس......

1۔ سب سے پہلے ایک بات گرہ میں باندھ لیں کہ یہ تو فیس بک نے ہر ایک کی ریکویسٹ کو فرینڈ ریکویسٹ کا نام دیا ہوا ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز ہرگز ''ہر کسی سے'' یا ''ہر کسی کے'' سامنے، ہنسی مذاق اور گپیں لگانے اور ایک دوسرے پر چوٹ کر کے لطف اندوز ہونے والی بچپن کی دوستی نہیں۔

آپ بڑے ہی نہیں بڑے سمجھدار بھی ہیں، اتنے سمجھدار کہ جانتے بھی ہیں کہ یہ چپٹ چیٹ نوک جھونک دلدل تو ہوسکتی ہے فلاح کا راستہ ہرگز نہیں۔

دوسرا یہ کہ اگر آپ یہی کام مسلسل صرف اپنے محرم رشتوں کے ساتھ بھی کررہے ہیں تب بھی یہ وقت اور صلاحیتوں کو لغو کاموں میں جھونک ڈالنے کے برابر ہوگا۔

2۔ اپنی نیت کو بار بار کھنگالیں کہ آپ کی پوسٹ کا مقصد کیا ہوتا ہے، اس پر آپ سمیت کسی کے بھی وقت یا ایمان کی خرابی کے کتنے امکانات موجود ہیں۔

3۔ اول تو زیادہ تعداد میں بے مقصد سے تفریحی سٹیٹس ہی ہر تیسری وال پر پڑے ہوتے ہیں، لیکن کیونکہ غیر اخلاقی نہیں تب بھی صرف قریبی دوستوں والے آپشن پر شیئر کرلیا کریں۔ ضروری نہیں کہ چوراہے پر کھڑے ہوکر چورن بیچنے والا کام کیا جائے۔ اور گلی محلے کے ہر فرد کی ہمت پڑ جائے کہ جو جی کرے بات کرڈالے۔

سوچیں تو سہی نا! کہ آپ کے فرشتے آخر کیا لکھتے ہوں گے؟ آپ کے قیامت میں پیش کیے جانے والے نامہ اعمال کے رجسٹر میں؟

اور بالفرض محال یہ سب درست ہو تب بھی بے ضرر بالکل نہیں۔ کیونکہ آپ گھر یا دفتر کے کسی بھی کام کو کتنی ہی محنت اور احسن طریقے سے کرلیں بمشکل دو چار لوگ ہوں گے جو آپ کو اس پر سراہیں گے اور وہ بھی ایک آدھ بار۔ آپ کے کام پر آپ کو ہزار لائیکس ، پانچ سو واہ شاباش خوبصورت عمدہ والے کامنٹس، ڈھائی سو شیئرز کہ بھائی فلاں یا بہن فلانی کا کارنامہ......والی تھپکی نہیں ملے گی تو آپ کو اپنی اہم ترین ذمہ داریاں بھی بوجھ اور بور لگنے لگیں گی۔ اور کسی صورت ادا کرلیں تو ریا اور دکھاوے کے جراثیم اس کا خلوص چوس لیں گے۔

4۔ نامحرم افراد (خاتون/مرد) کو ایڈ کرنے کی اصل وجہ؟ اگر واقعی بہت بامقصد اور اصلاحی ہے

تو پھر بھی ان باکس چیٹنگ سے انتہا درجہ گریز کریں۔

5۔ میری بات بری لگی ہو تو ہرگز بھی اسے درگزر نہ کریں، بلکہ جتنی بار یاد آئے اپنے پرانے سٹیٹس اور ان کے کمنٹس ملاحظہ فرمائیں۔ اگر میری شکایت میں صداقت محسوس ہو تو پھر سچی توبہ کریں اور اس دل کو جس کا خالق و مالک اللہ ہے، اسی کے کسی مثبت کام میں لگائیں...... کیونکہ حی علی الفلاح کی آواز پر بس نماز پڑھ لینا ہی محض اور محدود و تنہا فلاح کا راستہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ سچ مچ میں آپ سب کو متقی ہی نہیں بلکہ متقین کا امام بنائے۔ آپ سب ہماری قوم کا فخر ہیں عزت ہیں مان ہیں اللہ پاک آپ کو دونوں جہانوں میں ترقی اور اپنی رضا عطا فرمائے۔

اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟

محمد مبشر نذیر

جب ہیرے کو کان سے نکالا جاتا ہے تو یہ محض پتھر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ ایک ماہر جوہری اسے تراش خراش کر انتہائی قیمتی ہیرے کی شکل دیتا ہے۔ انسان کی شخصیت کو تراش خراش کر ایک اعلیٰ درجے کی شخصیت بنانا بھی اسی قسم کا فن ہے۔ اگر آپ بھی یہ فن سیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کیجیے۔

ادارہ انذار کی تمام کتب گھر بیٹھے حاصل کرنے کے لئے ان نمبرز پر ابھی رابطہ کیجیے:

0345 8206011 , 0332 3051201

انسان کو ہمیشہ اس کی تقدیر ملتی ہے
مگر اس تقدیر تک انسان کو چل کر جانا پڑتا ہے (ابو یحییٰ)

سوال وجواب

ابو یحییٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عالمی حیثیت

سوال:

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔اگر آپ مجھے ان آیات کا حوالہ بھیج دیں جن میں اس بات پر پختہ ایمان ویقین حاصل ہو کہ اسلام کا پیغام صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ ہر زمانے کے لوگوں اور پوری دنیا کے لوگوں ے لیے تھا تو میں آپ کا بہت مشکور ہوں گا۔کچھ لوگ سورہ شوریٰ آیت 7 اور سورہ انعام آیت 92 اور کچھ دیگر آیات جو اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ ہر قوم کے لیے ہدایت اور شریعت تھی، کے حوالے دے کر یہ بات پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قرآن اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیا کے لیے نہیں بلکہ صرف بنی اسماعیل کے لیے ہیں۔

خیر اندیش

ڈاکٹر مجاہد ظہیر

جواب:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید کے ابتدائی مخاطبین عرب تھے۔یہی فطری طریقہ کار ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ ایک نبی بہر حال ایک قوم میں پیدا ہوتا ہے۔اس کا پیغام اگر دنیا بھر کے لیے بھی ہے تو اسے کہیں سے تو ابتدا کرنی ہی ہوگی ۔اور سب سے زیادہ فطری طریقہ یہ ہے کہ ابتدا ہی اپنی قوم سے ہو۔تاہم قرآن مجید اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتا کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلام کی بعثت تمام انسانیت کی طرف تھی۔اس ضمن کی چند آیات یہ ہیں۔

سورہ فرقان 25: 1، سورہ سبا 34 :28، سورۃ الانبیا 21 :107

اس کا طریقہ کار بھی خود قرآن نے بتا دیا کہ آپ نے اپنی قوم پر شہادت حق دی اور آپ کی قوم باقی لوگوں پر حق کی شہادت دے گی۔درج ذیل آیات اسی بات کا بیان ہیں۔

سورۃ البقرہ 2 :143،سورۃ الحج 22: 78

سوال:

سر میں نے آپ کے بھیجے ہوئے حوالے ایک عالم کو دکھائے لیکن اس کا اصرار ہے کہ عالمین کا مطلب پوری کائنات نہیں بلکہ اس سے مراد کسی مخصوص جگہ تک محدود لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کے مطابق کیونکہ قرآن عربوں کی زبان میں تھا اس لیے یہ پوری دنیا کے لوگوں کے لیے نہیں ہوسکتا۔

سورۃ البقرہ 2 :143 اور سورۃ الحج 22 :78 کے بارے میں جاوید صاحب کی رائے مختلف ہے۔جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ ان آیات کو صرف صحابہ رضی اللہ عنہم سے خاص کرتے ہیں۔کیا آپ کو ان کی اس بات سے اختلاف ہے؟

آداب

ڈاکٹر مجاہد ظہیر

جواب:

میں مزاجاً ایک داعی ہوں اور اصلاً یہی کام اپنے ذمہ لیا ہے اس لیے الحمدللہ اس معاملے پر تفصیلی تحقیق کر رکھی ہے۔اور اس بنا پر پورے اعتماد سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید آخری درجہ

میں واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عالمی تھی۔ یہ اصلاً مسیحی حضرات کا موقف ہے اور جو اس سے قبل حضور کے زمانے کے یہود و نصاریٰ کا بھی موقف تھا کہ آپ کی بعثت صرف بنی اسماعیل کے عربوں کی طرف ہوئی ہے۔

باقی جہاں تک اس نقطہ نظر کی کمزوری کا تعلق ہے تو یہ قرآن مجید کی روشنی میں بھی بالبداہت غلط ہے۔ قرآن اپنا مدعا ہزار پہلوؤں سے کھولتا ہے۔ بہرحال اس خاص معاملے میں قرآن کو چھوڑ دیجیے، مسلمہ تاریخ ہی ایک دوسری کہانی سناتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ حضور نے اپنی زندگی میں قیصر و کسریٰ اور دیگر بادشاہوں کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ یہ خطوط عربی میں لکھے گئے اور مترجموں نے ان کا ترجمہ کر کے بادشاہوں کو سنا دیا۔ اس لیے یہ عربی زبان والی بات تو بالکل لایعنی ہے کہ قرآن چونکہ عربی میں تھا اس لیے اس کی دعوت صرف عربوں کے لیے ہی ہے۔ مزید سوال یہ ہے کہ حضور کی بعثت اگر عربوں کے لیے خاص تھی تو یہ حضور نے کیا کام کیا؟ پھر تو حضور نے معاذ اللہ اپنی حدود سے تجاوز کر دیا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہی نہیں ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام نے زبان کے اس فرق کے باوجود روم و ایران، مصر و شام اور اس دور کی پوری متمدن دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچا دیا۔ چنانچہ قرآن کے بیانات کے پیچھے پوری مسلمہ تاریخ کھڑی ہے کہ جیسا اس نے کہا تھا ٹھیک ویسا ہی ہو گیا۔ اس کا انکار کوئی نادان ہی کر سکتا ہے۔

باقی جاوید صاحب اس بات کی نفی نہیں کرتے۔ ان دو آیات یعنی سورہ حج اور بقرہ میں ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول تم پر گواہ ہو سے مراد میں اور آپ اور آج کا مسلمان نہیں بلکہ صحابہ کرام مراد ہیں۔ یہی حقیقت بھی ہے۔ چنانچہ حضور نے صحابہ پر گواہی دی اور پھر یہ صحابہ ہیں جنھوں نے باقی دنیا پر گواہی دی۔ اس بات سے تو میرے نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے، تردید نہیں ہوتی۔

یہ بھی نوٹ کیجیے سیدنا مسیح نے باصراحت اپنا دائرہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک

بیان کیا تھا۔ انبیا کو جب کچھ کہنا ہوتا ہے تو بالکل صاف کہتے ہیں۔ یہ مسیحی حضرات ہیں جنھوں نے اپنے دائرے سے تجاوز کیا اور اسی کے نتیجے میں ان کے ہاں بدترین شرک در آیا۔ اس کے برعکس قرآن مجید آخری درجہ میں واضح ہے کہ حضور کی بعثت کا دائرہ تمام عالم تک وسیع ہے۔ چنانچہ اب ان آیات میں سے ایک ایک کو لے کر دیکھیے۔

سورہ انبیا اور سورہ فرقان کی آیات میں عالمین کا لفظ آیا ہے۔ اس کا لغوی مطلب جہان یا عالَم یا دنیا ہے۔ ان صاحب کی یہ بات ٹھیک ہے کہ یہاں یونیورس یا کائنات مراد نہیں ہے۔ ہو بھی نہیں سکتی۔ یہاں دراصل ظرف بول کر مظروف مراد ہے یعنی ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو اہل عالم کے لیے نذیر یا رحمت بنایا ہے۔ یعنی عالم کے بجائے اہل عالم یا دنیا کے بجائے اہل دنیا ترجمہ ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ان آیات میں کیا قرینہ ہے کہ اس عالم کا مطلب عرب لیا جائے؟ کسی لفظ کو اس کے ظاہری مفہوم سے پھیرنے یا مطلق کو محدود کرنے کے لیے واضح قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ قرینہ کہاں موجود ہے؟ قرآن کی زبان عربی تھی، یہ کوئی قرینہ نہیں۔ کیا قرآن انگریزی میں اترنا چاہیے تھا جو اُس زمانے میں موجود ہی نہیں تھی اور آج کی سب سے بڑی عالمی زبان ہے؟ میں پچھلے ای میل میں عرض کر چکا ہوں کہ فطری طریقہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ پہلے عربوں تک اسلام پہنچتا اور پھر ان کے ذریعے سے باقی دنیا تک اسلام پہنچتا۔ یہی بات سورہ بقرہ اور حج کی ان آیات میں بیان ہوئی ہے جو پچھلے ای میل میں بیان کی گئی تھیں۔

باقی سورہ سبا میں تو ''کافۃ للناس'' یعنی سب لوگوں کے لیے کے الفاظ ہیں۔ یہ وہی اہل عالم والی بات کے لیے ایک دوسری تعبیر ہے۔ باقی جاوید صاحب ہوں یا اصلاحی صاحب سب یہ مانتے ہیں کہ حضور کی بعثت تمام دنیا والوں کے لیے ہوئی ہے۔ ان کی تفاسیر میں کئی جگہ یہ بات بیان ہوئی ہے۔

اب رہے وہ عالم تو آپ اپنی بات ان کے سامنے رکھ دیں۔ مان لیں تو بہت اچھی بات ہے، نہیں مانتے تو ان کی خدمت میں یہ عرض کہ حضور بہت غلطی ہوئی کہ آپ تک اسلام پہنچ گیا۔ آپ کے فہم کے مطابق تو یہ اللہ کا حکم نہیں تھا۔ اس لیے آپ اس غلطی کی اصلاح فرمائیں، اسلام سے جان چھڑائیں اور دنیا کے جس مذہب کو چاہیں اختیار فرمالیں۔ بہتر ہوگا کہ باقی وقت اسلام پر تحقیق کرنے کے بجائے اس بات پر کریں کہ ان کے آبا و اجداد کا مذہب کیا تھا۔ پھر اسی کو اختیار فرمالیں۔

والسلام

ابو یحییٰ

حج کا سفر (ابلیس سے جنگ کی روداد)

پروفیسر محمد عقیل

حج کے بے شمار سفرنامے لکھے گئے ہوں گے۔ اس سفرنامے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حج کے مناسک کو اصل روح کے ساتھ تمثیلی پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ یہ کتاب دونوں اقسام کے لوگوں کے لئے مفید ہے جنھوں نے حج کرلیا ہو یا جو حج کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

قیمت: 120 روپے (ڈسکاؤنٹ کے بعد)

گھر بیٹھے کتاب حاصل کرنے کے لئے اس نمبر پر ابھی رابطہ کیجیے: 03323051201

جن انسانوں کی انا بہت مضبوط ہوتی ہے ان کی شخصیت اکثر بہت کمزور رہ جاتی ہے (ابو یحییٰ)

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (31)

دین کی بنیادی دعوت

دین کی دعوت اوراس کو ماننے اور رد کرنے کے نتائج قرآن مجید کا اہم ترین اور بنیادی موضوع ہے۔اس حوالے سے سب سے پہلی چیز جوقرآن مجید میں زیر بحث آتی ہے وہ یہ ہے کہ دین کی بنیادی دعوت کیا ہے۔قرآن مجید کے مطابق دین کی بنیادی دعوت ایک اللہ پر ایمان اور اس کی عبادت ہے۔اسی کے ضمن میں یہ بھی زیر بحث آجاتا ہے کہ اللہ کی عبادت کیوں اور کیسے کی جائے۔قرآن مجید اللہ تعالیٰ پر ایمان اوراس کی بندگی کی دعوت ہی نہیں دیتا بلکہ اس کا مکمل اور جامع تعارف بھی کراتا ہے۔یہی قرآن مجید کا سب سے اہم اور بنیادی مضمون ہے جس کے ذیلی مضامین درج ذیل ہیں۔

الف) دعوت عبادت رب:

قرآن مجید کا مقصد نزول ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دینا ہے۔قرآن مجید اس بات کو دو پہلوؤں سے زیر بحث لاتا ہے۔

ا۔ایک اس پہلو سے کہ اللہ پر ایمان لاکر اسی کو تنہا رب مانا جائے اوراسی کی عبادت کی جائے یعنی اسی کی ذات انسانوں کی پرستش، اطاعت اور نصرت وحمیت کا اصل محور ومرکز ہونا چاہیے۔

۲۔دوسرے اس پہلو سے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔یعنی شرک کی نفی کی جائے۔خدا کے بالمقابل یا اس کے ساتھ کسی بت، انسان، جن ومَلَک، اجرام فلکی غرض کسی بھی ہستی کو بندگی واستعانت کا مرجع اور نفع وضرر کا مالک سمجھ کر اس کا رخ نہ کیا جائے۔اس کی عبادت

کی جائے نہ اسے پکارا جائے۔

ذیل میں ہم ان نکات کی کچھ تفصیل کیے دیتے ہیں۔

ا۔ اللہ پر ایمان اور اس کی بندگی کی دعوت

ایک اللہ پر ایمان اور اس کی بندگی کی دعوت قرآن مجید کا مرکزی خیال ہے۔ دعوت کے دلائل میں دلائل توحید کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم نے یہ دیکھا تھا کہ قرآن مجید مختلف پہلوؤں سے بار بار یہ استدلال کرتا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک تنہا ایک ہی رب ہے اور وہی عبادت و بندگی کا مستحق ہے۔ اس کائنات میں انسانوں کی ضروریات اور آسائشوں کا جو سامان مہیا کیا گیا ہے، یہ کائنات جس طرح ایک اعلیٰ اور برتر ہستی کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر مخلوق یہاں جس طرح عجز و بے کسی کا شکار ہے، یہ اس بات کا صاف ثبوت ہے کہ یہاں ایک ہی خالق و مالک کا راج ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔ ربوبیت و قدرت کی ان نشانیوں کے علاوہ قرآن انسانی فطرت کی اس آواز کو سامنے رکھتا ہے، خدا جس کی روح کی گہرائیوں میں بسا ہوا ہے اور جس فطرت پر حالات پردہ ڈال بھی دیں تو مشکل و بے چارگی میں انسان تڑپ کر اسی رب کو پکارتا ہے۔ پھر فطرت ہی نہیں کائنات میں پایا جانے والا نظم و توافق بھی یہ بتاتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی دوسرا خدا ہو سکتا ہے نہ یہ خود اپنے آپ چل سکتی ہے۔ ان سب کے ساتھ انسانوں کی معلوم تاریخ اور مسلمہ علم کی روایت میں توحید جس طرح مرکزی خیال رہی ہے اور اس کے علاوہ ہر دوسرا تصور ظن و تخمین اور وہم و گمان کے سوا کوئی اور بنیاد نہیں رکھتا، یہ حقیقت بھی اس پر گواہ ہے کہ رب کائنات ایک ہی ہے۔

جب یہ ساری حقیقتیں ہیں تو پھر اس میں کیا شک ہے کہ ایک اللہ کو ماننا اور تنہا اسی کی عبادت کرنا ایک درست علمی اور اخلاقی رویہ ہے۔ قرآن مجید اسی کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم یہ بتاتا

ہے کہ پھر پرستش کا ہر انداز چاہے وہ جسمانی عبادت ہو یا مالی نذر ہو اللہ رب العزت کے لیے خاص ہونا چاہیے۔ دعا اسی سے مانگنی چاہیے۔ مدد اسی سے طلب کرنی چاہیے۔ مشکل میں اسی کو پکارنا چاہیے۔ آسانی میں اسی کو یاد رکھنا چاہیے۔ ہر معاملہ اسی کے سپرد کرنا چاہیے۔ ہر قدم اسی کے بھروسہ پر اٹھانا چاہیے۔ پھر صرف عبادت ہی نہیں بلکہ عملی زندگی کے دائرے میں بھی انسان کو اللہ ہی کی اطاعت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اسی کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ جہاں اس کا حکم آجائے وہیں انسان کا سر تسلیم خم ہونا چاہیے۔ جس چیز سے وہ روک دے، اس سے رک جانا چاہیے۔ عبادت اور اطاعت کے ساتھ نصرت اور حمیت کے پہلو سے بھی اللہ پروردگار ہی اس کے مستحق ہیں کہ بندے ان کی پکار کا جواب دیں اور ان کے حکم پر اپنی جان و مال کو اس کے حضور قربان کر دیں۔ قرآن مجید اسی دعوت کو مختلف پیرایوں میں بیان کرتا ہے۔

قرآن مجید یہ بھی واضح کرتا ہے کہ گرچہ اس وقت رب العالمین غیب میں ہے، مگر مرنے کے بعد ہر انسان اس کی طرف ہی لوٹایا جائے گا۔ موت کے بعد ہی نہیں بلکہ اس زندگی میں بھی انسان اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ جب چاہے لوگوں کو پکڑ لے۔ وہ جب چاہے ان کی گرفت کر لے۔ اس لیے کوئی انسان اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ہاں وہ انسانوں سے بے نیاز ہے۔ مگر اس کی یہ عنایت ہے کہ اس نے انسانوں کو اپنی مرضی سے آگاہ کرنے کے لیے اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہے۔ چنانچہ لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ غلط روش کو چھوڑ کر عبادت اور اطاعت کی اس راہ کو اختیار کریں جو اس کے پیغمبروں نے دکھائی ہے تاکہ دنیا و آخرت میں وہ اس کے غضب سے بچ کر اس کی رحمت کے حقدار بن سکیں۔

قرآنی بیانات

”ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“ (سورہ فاتحہ 1:4)

''اے لوگو، بندگی کرو اپنے اس خداوند کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تا کہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو۔'' (سورہ بقرہ 2: 21)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر ہو۔'' (سورہ ال عمران 3: 102)

''اور بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی تو اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔'' (سورہ مریم 19: 36)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے انصار بنو، جیسا کہ عیسیٰ ابنِ مریم نے دعوت دی حواریوں کو، کون میرا مددگار بنتا ہے اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے انصار بنتے ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا۔ تو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابل میں مدد کی تو وہ غالب رہے۔'' (سورہ صف 61: 14)

''اللہ ہی معبود ہے، نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی، زندہ اور قائم رکھنے والا۔''

(سورہ ال عمران 3: 2)

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب و حاضر کا جاننے والا، وہ رحمان و رحیم ہے۔''، (سورہ حشر 59: 22)

''وہی زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو پکارو، اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ۔ شکر کا سزاوار اللہ ہے، عالم کا خداوند۔'' (سورہ مومن 40: 65)

''کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، اگر یہ اعراض کریں تو یاد رکھیں کہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (سورہ ال عمران 3: 32)

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرنا اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام رکھنا۔'' (سورہ طہ 20: 14)

''ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اس نے ان کو دعوت دی کہ اے میرے ہم قومو، اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ میں تم پر ایک ہولناک دن کے عذاب کے تسلط سے ڈرتا ہوں......'' (سورہ اعراف 7: 59)

''اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے دعوت دی، اے میرے ہم قومو!

اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں۔''
(سورہ اعراف 7 :65)

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے دعوت دی، اے میرے ہم قومو، اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔'' (سورہ اعراف 7 :73)

''اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے دعوت دی، اے میرے ہم قومو، اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔'' (اعراف 7 :85)

''کہہ دو میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلم ہوں۔ پوچھو، کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بناؤں جب کہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور ہر جان جو کمائی کرتی ہے وہ اسی کے کھاتے میں پڑتی ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہوگا۔ پس وہ تمہیں بتائے گا وہ چیز جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔''
(سورہ انعام 6 :162-164)

''کہہ دو، اے لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس اللہ کا جس کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی جلاتا (زندہ کرتا) اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے نبی اُمی رسول پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے کلمات پر اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم راہ یاب ہو۔'' (سورہ اعراف 7 :158)

''اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو رائگاں نہ کرو۔'' (سورہ محمد 41 :33)

''اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولوالامر کی۔ پس اگر کسی امر میں اختلاف رائے واقع ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہتر اور باعتبار انجام اچھا ہے۔''

(سورہ نساء 4 :59)

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (36)

اب شام ہو رہی تھی اور بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ایک جگہ ہمیں ایک صاحب پراٹھے تیار کرتے نظر آئے۔ ترکی میں یہ پہلا موقع تھا جب ہمیں پراٹھے نظر آئے تھے چنانچہ ہم یہیں براجمان ہو گئے۔ یہ پنیر کے پراٹھے تھے۔ ترکی کے ہوٹلوں میں یہ مسئلہ تھا کہ ویٹر اور مالک کے لباس میں کوئی خاص فرق ہم محسوس نہ کر سکے۔ ہر جگہ ویٹر بھی ایسے خوش لباس تھے کہ انہیں ٹپ دیتے ہوئے بھی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی کہ کہیں برا نہ مان جائیں۔ کھانا کھا کر ہم اب دوبارہ جھیل کے کنارے پر جا پہنچے۔ اب آہستہ آہستہ اندھیرا ہو رہا تھا۔ اس مقام سے میں نے جھیل کی ایک ہی زاویے سے متعدد تصاویر کھینچیں جن میں آہستہ آہستہ اندھیرا پھیل رہا تھا۔

یہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض لوگ جھیل کے کنارے کوئلے جلا کر باربی کیو کر رہے تھے۔ بعض یونہی چہل قدمی کر رہے تھے۔ بعض لوگ جھیل میں ڈوری ڈالے مچھلیاں پکڑنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ طریقہ نہایت ہی ظالمانہ ہے۔ ایک کانٹے پر خوراک لگا کر اسے پانی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مچھلی اس خوراک کو کھانے کے لئے یہ کانٹا اپنے حلق میں پھنسوا بیٹھتی ہے اور پھر اسے کھینچ لیا جاتا ہے۔ ذرا تصور کیجیے کہ ہمارے حلق میں اسی طرح کانٹا ڈال کر ہمیں گھسیٹا جائے تو شاید پھر اس تکلیف کا اندازہ ہو۔ ایک مرتبہ مچھلی کا کانٹا میرے حلق میں پھنس گیا تھا، اس کی تکلیف مجھے آج بھی یاد ہے۔ ہمارے دین نے ہمیں جانوروں کے ساتھ بھی رحم دلی کا حکم دیا ہے۔ جانور کو ذبح کرنے کے لئے چھری کا تیز ہونا ضروری ہے تاکہ اسے کم سے کم تکلیف ہو۔ اسی طرح مچھلی کے شکار کے لئے جال کا طریقہ درست ہے۔

اس مقام پر بہت سی قومیتوں کے لوگ موجود تھے۔ اللہ تعالی نے یہ دنیا فرق کے اصول پر

بنائی ہے۔ یہاں ہر شخص دوسرے سے مختلف ہے۔ بعض فاشسٹ گروہوں میں انسانوں کے درمیان فرق کو مٹا کر ایک جیسے گھڑے گھڑائے انسان تیار کرنے کا تجربہ کیا گیا جو کہ مکمل طور پر ناکام ہو گیا۔ ہر انسان شکل وصورت، طرز فکر، رنگ، زبان اور صلاحیت کے اعتبار سے دوسرے سے مختلف ہے۔ انسانوں کا یہی فرق ہے جس سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ اہل مغرب نے یہ سیکھ لیا ہے کہ مختلف طرز کے انسانوں میں مختلف صلاحیتوں کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے معاشرتی تنوع (Pluralism) کو انہوں نے بطور پالیسی اختیار کر لیا ہے۔ یک رخے (Authoritarian) معاشرے بالعموم ناکام رہتے ہیں کیونکہ ان میں انسانوں کے فرق کو اہمیت نہیں دی جاتی۔

آرٹون اور ٹورٹم آبشار

اگلی صبح اٹھ کر ہم پراٹھا ہوٹل پہنچے۔ آج یہاں آلو کے پراٹھے بھی دستیاب تھے۔ ان میں ہماری طرح کے مصالحے تو نہ تھے مگر یہ پھر بھی غنیمت تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے آگے چلنے کا ارادہ کیا۔ اب ہماری منزل آرٹون تھی۔ ترکی کے شمال مشرقی علاقوں سے متعلق بروشرز میں آرٹون سے متعلق بہت ہی خوبصورت تصاویر تھیں چنانچہ ہمارا ارادہ تھا کہ آرٹون میں بھی ایک دو دن جا کر رکا جائے۔

اب ہم یوزن جھیل سے دریا کے کنارے کنارے واپس "آف" کی طرف سفر کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ہم آف جا پہنچے۔ یہاں سے اب ہم دوبارہ کوسٹل ہائی وے پر سفر کرنے لگے جو بلیک سی کے کنارے پر بنی ہوئی تھی۔ کچھ دور جا کر ہمیں ایک عجیب چیز نظر آئی۔ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایکسر سائز مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ جو لوگ اپنے جسم کو فٹ رکھنے کے شوقین ہوں وہ عین سمندر کے کنارے تازہ ہوا میں ورزش کر سکتے تھے۔ یہ ایک بہت اچھی سہولت تھی

ورنہ ہمارے ہاں تو جم کی اچھی خاصی فیس ادا کرنا پڑتی ہے۔ جگہ جگہ سڑک کے کنارے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ نیچے بنی ہوئی سرنگ سے سڑک پار کر کے ساحل تک جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے بہت کم لوگوں کو سڑک پار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

راستے میں ماریہ نے آئس کریم کی فرمائش کر دی۔ میں نے ایک دکان پر گاڑی روکی۔ اس قصبے کا نام ''ارھاوی'' تھا۔ یہاں والز آئس کریم کا نام ''ال جیڈا'' تھا۔ جب میں یونی لیور کے آئس کریم ڈویژن میں کام کرتا تھا تو ہمارے سامنے ترکی میں کمپنی کے آئس کریم بزنس کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ یہی حقیقت تھی کہ ترکی کے ہر ہر اسٹور پر ال جیڈا کا فریزر رکھا ہوا تھا اور اس میں آئس کریم بھری ہوئی تھی۔ کچھ ایسا ہی معاملہ یہاں کوکا کولا کا بھی تھا۔ پیپسی کہیں دور دور تک نظر نہ آ رہی تھی۔

ارھاوی سے آگے چلے تو پھر سرنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان میں سے ایک سرنگ بہت قدیم تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ اب گری کہ اب گری۔ سرنگ کی چھت سے باقاعدہ پانی ٹپک رہا تھا۔ جلدی جلدی اس سرنگ سے نکلے۔ اب ہم ''رزے'' شہر پہنچ رہے تھے جو کہ صوبائی صدر مقام تھا۔

چونکہ اب ہم کافی سفر طے کر چکے تھے۔ مناسب یہ تھا کہ گاڑی کا آئل چینج کروا لیا جائے۔ شیل کا ایک سروس اسٹیشن دیکھ کر میں نے گاڑی یہاں روک دی۔ سروس اسٹیشن کے ملازمین کو بات سمجھانا ایک مشکل کام ثابت ہوا۔ انہوں نے مسئلے کا حل یہ کیا کہ اندر سے اپنے منیجر کو بلا لائے۔ یہ صاحب نہایت ہی صاف انگریزی بول رہے تھے۔ ایسی اچھی انگریزی ترکی میں کم ہی سننے میں ملی تھی۔ ان سے معلوم ہوا کہ موصوف اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ویسے استنبول میں رہتے تھے مگر یہاں ایک ہوٹل کی تعمیر کے سلسلے میں موجود تھے۔ کہنے لگے کہ ہمارے پاس

آئل چینج کا سلسلہ تو نہیں ہے البتہ آپ کی گاڑی میں آئل کم ہے۔اسے پورا کر دیتے ہیں۔ بعد میں آپ آئل چینج کروا لیجیے گا۔

یاجوج ماجوج کے دیس میں

رزے کے بعد اگلا شہر ''ہوپا'' آیا۔ یہ ترکی کا آخری بڑا شہر تھا۔اس کے بعد جارجیا کی سرحد تھی۔ جارجیا کا دارلحکومت تبلیسی یہاں سے دو تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ 1990ء تک یہ علاقہ سوویت یونین میں شامل تھا مگر جب اس کے ٹکڑے ہوئے تو جارجیا نے بھی دوسری بہت سی ریاستوں کی طرح آزادی کا اعلان کر دیا۔

اب ہم یاجوج ماجوج کی سرزمین میں داخل ہو رہے تھے۔ بائبل کی کتاب پیدائش کے مطابق سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انسانی نسل ان کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے چلی تھی۔ سام نے رہائش کے لئے دجلہ و فرات کی وادی کا انتخاب کیا جو ''میسوپوٹیمیا'' کہلاتی ہے۔حام نے اپنی اولاد سمیت دریائے نیل کی وادی میں رہائش اختیار کی۔ یافث کو بحیرہ کیسپین اور بحیرہ اسود کے درمیان کا علاقہ پسند آیا، چنانچہ انہوں نے اپنی اولاد کو یہاں آباد کر دیا۔اس وقت ہم اسی علاقے سے گزر رہے تھے۔

یافث کی اولاد میں سے ماجوج (Magog) نام کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ان کی نسل میں ''یاجوج'' یا ''جوج'' (Gog) نام کا بادشاہ گزرا ہے۔اس وجہ سے ماجوج کی پوری نسل یاجوج و ماجوج کہلائی۔ سام و حام کی نسلوں نے بڑی بڑی تہذیبیں قائم کیں مگر یاجوج ماجوج زیادہ تر خانہ بدوش رہے۔ ان کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا جس کی وجہ سے یہ اپنے اصل وطن سے شمال، مشرق اور مغرب کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ شمال میں انہوں نے روس کو اپنا مسکن بنایا۔ مشرق میں انہوں نے چین اور ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کیا اور مغرب میں یورپ

کی سرزمین پر قبضہ کرلیا۔اس کے بعد معلوم تاریخ میں امریکہ اور آسٹریلیا پر بھی ان ہی کی حکومت قائم ہوئی۔سام اور یافث کی نسلوں میں کئی مرتبہ زمین کے حصول کے لئے جنگ ہوئی۔ایسی ہی ایک جنگ کی تفصیل بائبل کی کتاب ''حزقی ایل'' میں ملتی ہے۔

دنیا کا اقتدار سب سے پہلے حام کی نسلوں کو سپرد ہوا اور مصر میں انہوں نے عظیم الشان تہذیب قائم کی۔اس زمانے میں حام کی افریقی نسلیں سپر پاور کی حیثیت رکھتی تھیں۔اس کے بعد سام کی نسلوں کی باری آئی۔سام کی نسل کے ایک بطل جلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کی دو شاخوں بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کو باری باری زمین کا اقتدار نصیب ہوا۔اس کی تفصیل آپ میرے سابقہ سفر نامے ''قرآن اور بائبل کے دیس میں'' میں پڑھ سکتے ہیں۔

قرآن مجید اور بائبل میں قیامت کی یہ نشانی بیان ہوئی ہے کہ اس سے پہلے روئے زمین پر یاجوج و ماجوج کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ان کے پہلے گروہ نے منگولیا سے اٹھ کر تاتاریوں کی شکل میں عالم اسلام پر یلغار کی۔کچھ عرصے بعد یہ گروہ تو مسلمان ہو گیا۔اس کے بعد یاجوج و ماجوج کے دوسرے گروہ نے یورپی استعمار کی صورت میں ایشیا اور افریقہ پر پھر یلغار کی۔کہا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں بھی دنیا کی تمام بڑی طاقتیں یعنی امریکہ، روس اور چین کا بڑا حصہ یاجوج ماجوج ہی پر مشتمل ہیں۔یافث کی ماجوج کے علاوہ اور اولاد بھی ہو گی مگر غالب اکثریت کے اصول پر یافث کی پوری نسل ہی کو یاجوج و ماجوج کے نام سے مذہبی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

غم ہو کہ خوشی شاملِ جذبات رہے ہیں
وہ دور سہی پھر بھی مرے ساتھ رہے ہیں

ہو قرب میسّر تو بہاروں کی طرح ہیں
اور ہجر کے موسم میں بھی برسات رہے ہیں

اِک دھوپ سی رہتی ہے مرے ساتھ ہمیشہ
اِک درد سے روشن مرے دن رات رہے ہیں

احساس کی دنیا میں نئے نقش بنا کر
کچھ لوگ بڑی دیر مرے ساتھ رہے ہیں

پایا ہے کسی کو بھی، جو کھویا ہے کسی کو
ہاں! باعثِ وہ ترکِ ملاقات رہے ہیں

لہریں ہوں کہ خوشبو ہو، ہوائیں ہوں کہ بادل
ایسے ہی پریشاں مرے حالات رہے ہیں

محبوبِ نظر ہے وہی جو جاں سے ہے پیارا
جاں دے کے ہی ملنے کے اشارات رہے ہیں

مہکار عجب ہے تِری خوشبوئے بدن کی
مسرور سے، مہکے ہوئے باغات رہے ہیں

جنت تمہیں مل جائے اگر صبر کے بدلے
اس صبر کے بدلے میں انعامات رہے ہیں

پوچھا جو کسی نے کہ حنا کیسی ہے لڑکی؟
سب حق میں تمہارے ہی جوابات رہے ہیں

ابو یحییٰ کی کتابیں

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفر نامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

Please visit this link to read all articles and books of Abu Yahya free online.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)